ڈاکٹر طاہر نواز
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اردو افسانہ ’’کفن‘‘ متنی تنقید کے تناظر میں

"Shroud" is the most important short story of Prem Chand. This short story has greatly influenced not only the fiction writers of his time but also the later fiction writers. This short story is still considered one of the most prominent short stories in Urdu fiction and a manifesto of the Progressive Writers Movement to some extent. That is why; this short story is generally considered a complete short story in every aspect. Is this short story complete in every way? In this article, an attempt has been made to critically examine the short story in this regard.

اردو افسانے کی روایت میں افسانہ ’’کفن‘‘ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ جس نے نہ صرف اپنے عہد کے افسانہ نگاروں کو بلکہ بعد میں آنے والے افسانہ نگاروں اور افسانے کی روایت کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ اس افسانے کا شمار آج بھی اردو کے نمایاں ترین افسانوں میں ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ افسانہ ترقی پسند تحریک کا مینی فیسٹو قرار پایا تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس افسانے کو ہر اعتبار سے ایک مکمل افسانہ قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ افسانہ واقعی ہر اعتبار سے بھی اتنا ہی مکمل ہے؟ کہیں اس افسانے میں کوئی سقم تو موجود نہیں؟ اور اگر کوئی سقم موجود ہے تو وہ اس افسانے کی ساخت کو کس طرح متاثر کر رہا ہے؟ ان ہی سوالات کو آئندہ کے مضمون میں زیرِ بحث لایا جائے گا۔

افسانہ ’’کفن‘‘ بنیادی طور پر ایک باپ اور بیٹے کی کہانی ہے جن کا تعلق ایک گاؤں سے ہے۔ افسانے کا آغاز ایک جھونپڑے کے منظر سے ہوتا ہے جہاں باپ اور بیٹا جھونپڑے کے باہر بیٹھے ہوئے آلو بھون کر کھا رہے ہوتے ہیں جبکہ بیٹے کی بیوی جھونپڑے کے اندر دردِ زہ سے کراہ رہی ہوتی ہے۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی جھونپڑے کے اندر نہیں جاتا اور نہ ہی اس زچہ کی مدد کے لیے کسی کو بلایا جاتا ہے۔ وہ دونوں اسی طرح جھونپڑے کے باہر گرم گرم آلو کھا کر وہیں پر ہی سو جاتے ہیں۔ اگلی صبح جب وہ دونوں بیدار ہوتے ہیں تو جھونپڑے کے اندر وہ عورت مر چکی ہوتی ہے۔ جس کے کفن کے لیے وہ دونوں قرض حاصل کرنے کے لیے گاؤں میں پھرنے لگتے ہیں۔ جب

انہیں قرض میں ایک معقول رقم مل جاتی ہے تو وہ دونوں کفن لینے کے لیے بازار چلے جاتے ہیں۔ اسی بازار میں ایک شراب خانہ بھی ہوتا ہے جہاں وہ شراب پینے لگتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ مرغن کھانا منگواتے ہیں اور خوب پیٹ بھر کر کھاتے ہیں۔ اسی عالم میں وہ ناچنے اور گانے لگتے ہیں اور پھر وہیں پر ہی گر جاتے ہیں۔ اس مقام پر افسانے کا اختتام ہو جاتا ہے۔

افسانے پر لکھی جانے والی تنقید کے مطابق کہانی کا مرکزی خیال نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے باپ اور بیٹے کی بے حسی سے متعلق ہے۔ جس کا دائرہ وسیع ہو کر پورے معاشرے پر پھیل جاتا ہے۔ یہ بے حسی ان دو کرداروں کی ہی نہیں دکھائی گئی بلکہ ان دو کرداروں کے ذریعے پورے معاشرے کو ہی بے حس دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر تحسین بی بی لکھتی ہیں:

> ''پریم چند کا افسانہ ''کفن'' افسانوی سفر میں ایک اہم منزل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس افسانے میں پریم چند نے ایک مخصوص معاشرے کے معاشی و سیاسی نظام میں پروان چڑھنے والے دو بے حس انسانوں کی رودادِ زندگی کے داخلی و خارجی حالات کی ترجمانی کی ہے۔ یہ افسانہ ایک نئے طرز کی بے باک اور بے رحم حقیقت نگاری کا نمونہ ہے۔ اس افسانے میں دونوں باپ بیٹے کی بے حسی اور عیش کوشی دراصل جاگیردارانہ نظام کے خلاف ایک خاموش احتجاج ہے۔ ان کے اعمال کا جواز سماجی جبر اور سرمایہ دارانہ استحصال میں ہے۔'' (۱)

لیکن یہ سب تب ہی سامنے آتا ہے جب اس افسانے کے متن کو مصنف کے ساتھ جوڑ کر دیکھا جاتا ہے۔ کیا متن بھی ان ہی چیزوں کی وضاحت کر رہا ہے؟ اگر متن کو مصنف سے آزاد کر دیا جائے اور اس کی کلوز ریڈنگ کی جائے تو کیا متن پھر بھی ان ہی موضوعات تک قاری کو لے جانے میں کامیاب ہوتا ہے؟ اس کی وضاحت کے لیے پہلے متن کا مطالعہ مصنف کے بغیر کرتے ہیں اور یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ مصنف کے بغیر متن کیا معنی دے رہا ہے؟ کیا موضوع، متن اور معنی میں ہم آہنگی ہے؟ اور بعد میں متن کا مطالعہ مصنف کے ساتھ کر کے یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ مصنف کے ساتھ متن کیا معنی دے رہا ہے۔

افسانے کا آغاز کچھ یوں ہوتا ہے:

''جھونپڑے کے دروازے پر باپ اور بیٹا دونوں ایک بجھے ہوئے الاؤ کے سامنے خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور

اندر بیٹے کی نوجوان بیوی بدھیا دردِ زہ سے پچھاڑیں کھا رہی تھی اور رہ رہ کر اس کے منہ سے ایسی دلخراش صدا نکلتی تھی کہ دونوں کلیجہ تھام لیتے تھے۔ جاڑوں کی رات تھی، فضا سناٹے میں غرق۔ سارا گاؤں تاریکی میں جذب ہو گیا تھا۔''

اس افسانے کے پہلے پیرا گراف سے ہی افسانے میں موجود زمان و مکان اور مرکزی کرداروں کا تعین ہو جاتا ہے۔ گاؤں، سناٹا، جاڑے کی رات، جھونپڑے کا دروازہ، باپ، بیٹا، بیوی، دردِ زہ، پچھاڑیں کھانا، دلخراش صدا، کلیجے کا تھامنا اور گاؤں کا تاریکی میں جذب ہونا وہ سگنفائرز ہیں جو آئندہ کی کہانی کو واضح کرتے ہیں۔ اس پیرا گراف میں ''بجھے ہوئے الاؤ'' اور ''سارا گاؤں تاریکی میں جذب ہو گیا تھا'' ذومعنویت کے حامل الفاظ ہیں اور اس کے ساتھ ہی اس ڈائریکشن کی بھی وضاحت کرتے ہیں جس طرف آئندہ کی کہانی نے جانا ہے۔ گاؤں اور جھونپڑا اس کہانی کے مکان کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ کہانی ایک گاؤں کی ہے جس میں جھونپڑے موجود ہیں اور اس کہانی کے مرکزی کرداروں کا تعلق اسی جھونپڑے سے ہے۔ جاڑوں کی رات، فضا کا سناٹے میں غرق ہونا اور سارے گاؤں کا تاریکی میں جذب ہونا اس کہانی میں موجود زمان کی نشاندہی کر رہا ہے۔

اس جھونپڑے کے آس پاس دیگر جھونپڑے یا مکانات موجود ہیں، اس بارے میں متن میں کوئی نشاندہی نہیں ہے۔ گاؤں کے دیگر جھونپڑے یا مکانات کتنی دور ہیں، اس بارے میں متن سے کوئی رہنمائی نہیں ملتی۔ کیونکہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آس پاس مکانات یا جھونپڑے موجود تھے تو کیسے ممکن ہے کہ اتنے سناٹے میں (جیسا کہ پہلے پیرا گراف میں بتایا گیا ہے) دلخراش صدا بھی سنائی نہ دے۔ مزید یہ کہ اگر وہ جھونپڑا دیگر جھونپڑوں یا مکانات سے ایک مخصوص فاصلے پر تھا تو کیوں؟ یہ سوال بھی متن کے حوالے سے تشنہ ہی رہتا ہے۔

اس افسانے کے کرداروں میں گھیسو، مادھو، بدھیا، ٹھاکر اور زمیندار شامل ہیں۔ گھیسو، مادھو اور زمیندار کا شمار اس افسانے کے متکلم کرداروں میں ہوتا ہے۔ اس افسانے کے دیگر متکلم کرداروں میں زمیندار شامل ہے جس کے پاس گھیسو اور مادھو قرض حاصل کرنے جاتے ہیں۔ بدھیا کے بارے میں افسانے کا راوی بتاتا ہے جبکہ وہ خود سے کسی منظر میں سامنے نہیں آتی۔ ٹھاکر کا ذکر بھی گھیسو کے ذریعے ہوتا ہے، جب وہ اپنے بیٹے کو ٹھاکر کی شادی سے متعلق بتا رہا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اجتماعی کرداروں میں گاؤں کی خواتین کا ذکر ملتا ہے جب بدھیا کی موت کے بعد وہ اس کی لاش کو دیکھنے آتی ہیں اور مرد کردار جو بدھیا کی لاش کو جلانے کے لیے لکڑی کا بندوبست کرنے جاتے ہیں یا پھر وہ لوگ جو مے خانے کے منظر نامے میں سامنے آتے ہیں۔ یہ اجتماعی کردار ہیں جو اس پورے گاؤں اور بازار کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کرداروں سے بھی افسانے میں موجود مکان کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کرداروں میں سے کسی کا تعلق بھی شہر

سے نہیں ہے اور نہ ہی پورے افسانے میں شہر کا کہیں ذکر ملتا ہے۔

افسانے میں کرداروں کو صنفی بنیادی تضادات کی بنیاد پر تخلیق کیا گیا ہے۔ پانچ انفرادی کرداروں میں سے چار مرد کردار(گھیسو ، مادھو، ٹھاکر اور زمیندار) شامل ہیں۔ عورت کے کردار میں صرف بدھیا کو پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ عورتیں اجتماعی کردار کے طور پر سامنے آتی ہیں۔ افسانے میں مرد کرداروں کے مقابلے میں مصنف کا جھکاؤ مرکزی نسوانی کردار کی طرف نظر آتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

’’گھیسو نے اسی زاہدانہ انداز میں ساٹھ سال کی عمر کاٹ دی تھی اور مادھو بھی سعادت مند بیٹے کی طرح باپ کے نقشِ قدم پر چل رہا تھا بلکہ اس کا نام اور بھی روشن کر رہا تھا۔‘‘

لیکن مرکزی نسوانی کردار کی طرف مصنف کا جھکاؤ اور مقابلے میں مرد کرداروں سے متعلق اس کے الفاظ اور ان کی ٹون اس بات کا صاف بتا دیتی ہے کہ اس کردار کے مقابلے میں جو کردار سامنے آئیں گے ان کو کس مقام و مرتبے پر رکھا جائے گا۔ ملاحظہ ہو:

’’جب سے یہ عورت آئی تھی اس نے اس خاندان میں تمدن کی بنیاد ڈالی تھی ۔ پیسائی کر کے گھاس چھیل کر وہ سیر بھر آٹے کا بھی انتظام کر لیتی اور ان دونوں بے غیرتوں کا دوزخ بھرتی رہتی تھی۔‘‘

افسانے میں موجود طبقاتی درجہ بندی سے متعلق اعجاز خاور لکھتے ہیں:

’’کفن‘ پریم چند کی شہرہ آفاق کہانی ہے یہ صرف گھیسو ، مادھو یا اس کی بیوی ہی کی داستان نہیں بلکہ یہ اس معاشرے کی شکست و ریخت کی کہانی ہے۔ یہ اس طبقاتی درجہ بندی کی کہانی ہے جس نے ایک انسان کو اعلیٰ اور دوسرے کو کم تر اور نکھٹو بنا دیا ہے۔‘‘ (۲)

افسانے میں مکالمے کی ضرورت کو گھیسو ، مادھو اور زمیندار کے ذریعے پورا کیا گیا ہے۔ افسانے میں زیادہ تر مکالمے (تین مقامات پر۔۔۔ جھونپڑے کے باہر، بازار میں اور مے خانے کے اندر) گھیسو اور مادھو کے درمیان ہیں۔ گھیسو اور زمیندار کے درمیان صرف ایک دفعہ کا مکالمہ موجود ہے جب گھیسو اور مادھو اس سے بدھیا کے کفن کے لیے قرض حاصل کرنے جاتے ہیں۔ یہ مکالمہ انتہائی مختصر ہے۔ یوں افسانے میں مکالمے کے اعتبار سے گھیسو نمایاں ترین کردار ہے۔ اس کردار کی اہمیت کی بدولت اس کے مکالمے بھی دیگر کرداروں سے زیادہ اہم ہیں۔ گھیسو ایک اجڈ اور گنوار کردار ہے۔ یہ کردار اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کے مکالمے بھی اس کی شخصیت کے مطابق ہونے چاہیں،

لیکن زبان و بیان کے اعتبار سے اس کردار کے مکالموں میں سب سے زیادہ فرق نظر آتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''گھیسو نے کہا'' معلوم ہوتا ہے بچے گی نہیں۔ سارا دن تڑپتے ہو گیا۔ جا دیکھ تو آ'' (افسانے میں گھیسو کے مکالمے کی پہلی لائن)

''تو بڑا بے درد ہے بے، سال بھر جس کے ساتھ جندگانی کا سکھ بھوگا اسی کے ساتھ اتنی بے وپھائی''(افسانے میں گھیسو کے مکالمے کی دوسری لائن)

درج بالا سطور گھیسو کے پہلے مکالمے سے لی گئی ہیں جو افسانے کے آغاز پر اس کا اپنے بیٹے کے ساتھ ہے۔ پہلی سطر خالصتاً اردو زبان میں لکھی گئی ہے جبکہ دوسری سطر میں نہ صرف لب و لہجہ بلکہ الفاظ بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اسی ڈائیلاگ میں گھیسو کی باقی لائنیں دوبارہ پہلی لائن کی طرز پر لکھی گئی ہیں: ''گھیسو نے آلو نکال کر چھیلتے ہوئے کہا'' جا کر دیکھ تو، کیا حالت ہے اس کی؟ چڑیل کا پھنساؤ ہوگا اور کیا۔ یہاں تو اوجھا بھی ایک روپیہ مانگتا ہے۔ کس کے گھر سے آئے''

''ڈر کس بات کا ہے؟'' میں تو یہاں ہوں ہی۔''

''سب کچھ آ جائے گا۔ بھگوان بچہ دیں تو۔ جو لوگ ابھی ایک پیسہ نہیں دے رہے ہیں، وہیں تب بلا کر دیں گے۔ میرے نو لڑکے ہوئے، گھر میں کبھی کچھ نہ تھا، مگر اس طرح ہر بار کام چل گیا۔''

لیکن زمیندار کے ساتھ مکالمے میں گھیسو کی زبان ایک بار پھر سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

''گھیسو نے زمین پر سر رکھ کر آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا'' سرکار بڑی بپت میں ہوں۔ مادھو کی گھر والی رات گجر گئی۔ دن بھر تڑپتی رہی۔ آدھی رات تک ہم دونوں اس کے سرہانے بیٹھے رہے۔ دوا دارو جو کچھ ہو سکا سب کیا مگر وہ ہمیں دگا دے گئی۔ اب کوئی ایک روٹی دینے والا نہیں رہا۔ مالک تباہ ہو گئے۔ گھر اجڑ گیا۔ آپ کا گلام ہوں۔ اب آپ کے سوا اس کی مٹی کون پار لگائے گا۔ ہمارے ہاتھ میں جو کچھ تھا، وہ سب دوا دارو میں اٹھ گیا۔ سرکار ہی کی دیا ہو گی تو اس کی مٹی اٹھے گی۔ آپ کے سوا اور کس کے دوار پر جاؤں؟''

اس حوالے سے گھیسو کا ایک اور مقام پر مادھو کے ساتھ مکالمہ ملاحظہ ہو جس سے اندازہ ہوگا کہ گھیسو کی زبان کس طرح بدلتی رہتی ہے:

گھیسو نے کہا،''لے جا کھوب کھا اور اسیر باد دے۔جس کی کمائی تھی وہ تو مر گئی مگر تیرا اسیر باد اسے جرور پہنچ جائے گا۔ روئیں روئیں سے اسیر باد دے۔''

''گھیسو نے سمجھایا'' کیوں روتا ہے بیٹا! کھس ہو کہ وہ مایا جال سے مکت ہو گئی۔ جنجال سے چھوٹ گئی۔ بڑی بھا گوان تھی جو اتنا جلد مایا کے موہ کے بندھن توڑ دیے۔''

گھیسو کے مکالموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تھ، ز،ف، غ، خ کو درست طور پر ادا نہیں کر سکتا۔ وہ ان حروف کو بگاڑ کر ادا کرتا ہے۔ وہ تھ، ز، ف، غ، خ ،ش کو بالترتیب ت، ج، پھ، گ، کھ،س کے طور پر ادا کرتا ہے۔لیکن بعض مکالموں میں اولذکر حروف بھی ادا کیے گئے ہیں۔اسی طرح وہ ک ف کو ملا کر پکھ کے طور پر بولتا ہے۔۔اس حوالے سے مثالیں ملاحظہ ہوں:

''سال بھر جس کے ساتن جندگانی کا سکھ بھوگا، ''(یہ گھیسو کے مکالمے کی لائن ہے)

''کوئی روک نہیں تھی۔ جو چیز چاہو مانگو اور جتنا چاہو کھاؤ''(یہ گھیسو کے اس مکالمے کی لائن ہے جہاں وہ مادھو کو ٹھاکر کی شادی پر دیے جانے والے کھانے سے متعلق بتا رہا ہوتا ہے)

''اب تو سب کو کپھایت سوجھتی ہے۔۔۔ ہاں کھرچ میں کپھایت سوجھتی ہے۔'' (گھیسو کی لائن)

''گھیسو بولا۔'' کپھن لگانے سے کیا ملتا، جل ہی تو جاتا، کچھ بہو کے ساتھ تو نہ جاتا''

لیکن ایک اور مکالمے میں گھیسو اس کو درست انداز میں بولتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''تو کیسے جانتا ہے کہ اسے کفن نہ ملے گا، تو مجھے ایسا گدھا سمجھتا ہے۔ میں ساٹھ سال کیا دنیا میں گھاس کھودتا رہا ہوں۔اس کو کفن ملے گا اور اس سے بہت اچھا ملے گا جو ہم دیتے''

اگر اس افسانے کو مختلف تناظرات میں دیکھیں تو بہت سے سوالات جنم لیتے ہیں۔کیا اس افسانے کو جاگیردرانہ نظام کے خلاف خاموش احتجاج سمجھا جائے؟اس افسانے میں جاگیردارانہ نظام کے دو نمائندہ کردار ملتے ہیں جن میں سے ایک ٹھاکر کا کردار ہے اور دوسرا زمیندار کا۔ٹھاکر کا کردار غائب کردار ہے۔اس کے بارے میں تب پتا چلتا ہے جب گھیسو مادھو کو ٹھاکر کی شادی کے متعلق بتاتا ہے:

''وہ بولا'' وہ بھوج نہیں بھولتا۔تب سے پھر اس طرح کا کھانا اور بھرا پیٹ نہیں ملا۔۔۔۔اب کیا بتاؤں کہ اس بھوج

میں کتنا سواد ملا۔کوئی روک نہیں تھی۔ جو چیز چاہو مانگو اور جتنا چاہو کھاؤ۔لوگوں نے ایسا کھایا، ایسا کھایا کہ کسی سے پانی نہ پیا گیا،مگر پروسنے والے ہیں کہ سامنے گرم گول گول مہکتی کچوریاں ڈال دیتے ہیں۔منع کرتے ہیں کہ نہیں چاہیےمگر وہ ہیں کہ دیے جاتے ہیں اور جب سب نے منہ دھولیا تو ایک ایک بیڑا پان بھی ملا مگر مجھے پان لینے کی کہاں سدھ تھی۔۔۔ایسا دریا دل تھا وہ ٹھاکر۔ ‘‘

افسانے میں جاگیردارانہ نظام کا دوسرا نمائندہ کردار زمیندار کا ہے جو متکلم صورت میں سامنے آتا ہے۔اس کردار کا تعارف کرواتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے:

’’زمیندار صاحب رحمدل آدمی تھے۔مگر گھیسو پر رحم کرنا کالے کمبل پر رنگ چڑھانا تھا۔‘‘

ان دونوں کرداروں کی پیش کش سے کہیں پتا نہیں چلتا کہ اس افسانے میں موجود سماج کو جاگیردرانہ نظام نے جکڑا ہوا تھا اور سماج براہ راست ان کے استحصال کا شکار تھا،کیونکہ متن میں تو ان کو رحمدل بتایا جایا رہا ہے۔کیا اس افسانے کو معاشی تناظر میں دیکھا جائے؟ جہاں پر مختلف طبقے مخصوص گٹھ جوڑ کے ذریعے لوگوں کا معاشی استحصال کرتے ہیں اور کسی حد تک لوگوں کے لیے روزگار کے دروازے بھی مسدود کر دیتے ہیں۔ یوں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے۔لیکن متن تو کچھ اس طرح بتا رہا ہے:

’’جب ایک دو فاقے ہو جاتے تو گھیسو درختوں پر چڑھ کر لکڑیاں توڑ لاتا اور مادھو بازار میں بیچ آتا۔ جب تک وہ پیسے رہتے ، دونوں ادھر ادھر مارے مارے پھرتے۔ جب فاقے کی نوبت آ جاتی تو پھر لکڑیاں توڑتے یا کوئی مزدوری تلاش کرتے۔ گاؤں میں کام کی کمی نہ تھی۔ کاشتکاروں کا گاؤں تھا۔ محنتی آدمی کے لیے پچاس کام تھے۔‘‘

یعنی اس معاشی نا آسودگی کے وہ دونوں خود ذمہ دار تھے۔اس میں سماج یا کسی مخصوص معاشی گروہ کا ہاتھ نہیں تھا۔اگر وہ چاہتے تو اپنی معاشی حالت کو بہتر بنا سکتے تھے۔کیا اس افسانے کو سماجی اقدار کی تنزلی کے حوالے سے دیکھا جائے؟ جہاں عموماً سماج میں ایک دوسرے کا خیال نہیں رکھا جاتا، جس کی وجہ سے معاشرہ اخلاقی قدروں کے حوالے سے شکست و ریخت کا شکار ہو جاتا ہے۔لیکن افسانے میں جو کردار مکمل سماج کی نمائندگی کر رہے ہیں ان کا ایکشن اس سے مختلف نظر آتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

’’گاؤں کی رقیق القلب عورتیں لاش آ آ کر دیکھتی تھیں اور اس کی بے بسی پر دو بوند آنسو گرا کر چلی جاتی تھیں۔
‘‘

''کسی نے غلہ دیا اور کسی نے لکڑی، اور دوپہر کو گھیسو اور مادھو بازار سے کفن لانے چلے۔ ادھر لوگ بانس وانس کاٹنے لگے۔''

خود افسانے کا عنوان ''کفن'' ایک مذہبی کوڈ ہے۔ لیکن متن سے یہ کہیں ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ کوڈ مذہبی جبر اور استحصال کے لیے استعمال ہوا ہے یا پھر بعد از مرگ بھی انسان کی تکریم چاہے، اسے جلایا جائے یا پھر دفن کیا جائے جس کا تقاضا مذاہب کرتے ہیں کے حق میں ہے۔ کیونکہ مذہبی جبر اور استحصال کی پیش کش اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس افسانے میں ایک مذہب کا نمائندہ کردار یا پھر سخت گیر مذہبی رویے ہونا چاہیے تھے، جن کے ذریعے اس جبر اور استحصال کو پیش کیا جاتا۔ کیونکہ افسانے میں موجود دیگر کردار مذہب کی نمائندگی نہیں کرتے۔ یوں اس مذہبی کوڈ کو جو کہ اس افسانے کا عنوان بھی ہے، ڈی کوڈ کیسے کیا جائے ایک طرح سے خود ایک سوال بن جاتا ہے۔

افسانے میں موضوع کو وسیع بنانے کی وجہ سے بہت سے گرے ایریاز (Grey Areas) بھی رہ گئے ہیں۔ مثلاً ایک تو گھیسو اور مادھو کی عمروں کا تفاوت ہے۔ افسانے کا یہ حصہ ملاحظہ ہو:

''گھیسو کو اس وقت ٹھاکر کی بارات یاد آئی جس میں بیس سال پہلے وہ گیا تھا۔ اس دعوت میں اسے جو سیری نصیب ہوئی تھی وہ اس کی زندگی میں ایک یادگار واقعہ تھی اور آج بھی اس کی یاد تازہ تھی''

بیس سال پہلے کی بارات کی یاد صرف گھیسو کو ہے اس کا مطلب ہے کہ مادھو یا تو اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا یا پھر ابتدائی بچپنے میں ہوگا، جو یہ واقعہ اسے یاد نہیں۔ وگرنہ اتنی بڑی دعوت اسے بھی ضرور یاد ہوتی۔ اس کا مطلب ہے کہ مادھو کی عمر بیس سال سے کم ہے یا پھر کم وبیش بیس سال ہی ہے۔ مصنف کے مطابق گھیسو کی عمر ساٹھ سال ہے۔ اس طرح مادھو اس کی عمر کے چالیسویں سال یا پھر اس کے بعد کے سال میں پیدا ہوا گا۔ کیونکہ اس واقعے کے بیان پر مادھو یوں نہ کہتا:

''مادھو نے ان تکلفات کا مزہ لیتے ہوئے کہا ''اب ہمیں کوئی ایسا بھوج کھلاتا''

اس کے جواب میں گھیسو کیا کہتا ہے:

''اب کوئی کیا کھلائے گا!'' وہ جمانا دوسرا تھا۔ اب تو سب کو کپھایت سوجھتی ہے۔ شادی بیاہ میں مت کھرچ کرو، کریا کرم میں مت کھرچ کرو،'' ''پوچھو گریبوں کا مال بٹور کر کہاں رکھو گے۔ مگر بٹورنے میں تو کمی نہیں ہے۔ ہاں کھرچ میں کپھایت سوجھتی ہے۔''

اس واقعے کے بیان کے وقت گھیسو کی عمر ساٹھ سال بنتی ہے ۔ جبکہ اس وقت اس کے بیٹے کی عمر بیس سال بنتی ہے ۔لیکن گھیسو مادھو کو کیا کہتا ہے اس وقت اس کی صورت حال کیا تھی ملاحظہ ہو:

''پچاس سے کم تو میں نے بھی نہ کھائی ہوں گی، اچھا پٹھا تھا۔تو اس کا آدھا بھی نہیں ہے۔''

مادھو کی ماں جس کو مرے ہوئے مدت ہو گئی تھی کس کردار کی مالک تھی۔ گھیسو کی شادی کس عمر میں ہوئی تھی؟ گھیسو کے مادھو سمیت نو بچے تھے تو باقی کہاں تھے۔؟ کیا وہ مر گئے تھے۔؟ اگر خاندان میں تمدن کی بنیاد بدھیا نے ڈالی تھی (جیسا کہ مصنف نے بتایا ہے جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے) تو اس کا مطلب ہے کہ گھیسو کی بیوی یعنی مادھو کی ماں بھی ان کی طرح اجڈ اور گنوار تھی؟ اگر وہ لوگ اجڈ اور گنوار تھے تو بدھیا کے والدین اس شادی پر راضی کیوں ہو گئے تھے؟ کیا ان کا پہلے سے کوئی خاندانی تعلق تھا جس کی بنا پر یہ شادی ہوئی تھی؟ بدھیا کے والدین کہاں تھے؟ کیا وہ اسی گاؤں سے تعلق رکھتے تھے یا پھر کسی اور گاؤں سے؟ کیا وہ مر گئے تھے یا پھر زندہ تھے؟ اگر وہ زندہ تھے اور اسی گاؤں سے ہی تعلق رکھتے تھے تو اتنے خاص موقع پر وہ کیوں نہ آئے یہاں تک کہ بدھیا کی موت کے بعد بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ملتا؟ چونکہ ان سب باتوں سے متعلق متن میں کہیں کوئی اشارہ موجود نہیں ہے اس لیے ان سوالات کے جوابات ادھورے رہ جاتے ہیں۔

اسی طرح بدھیا کے مرنے پر گھیسو اور مادھو کے پاس گاؤں بھر سے پانچ روپے جمع ہوئے تھے:

''ایک گھنٹے میں گھیسو کے پاس پانچ روپے کی معقول رقم جمع ہو گئی۔''

افسانہ نگار کے مطابق کھانے پر ڈیڑھ روپے لگے۔گھیسو اور مادھو نے شراب کی صرف ایک بوتل خریدی تھی ۔مصنف نے اس کی قیمت نہیں بتائی۔کھانا منگوانے پر صرف اتنا بتایا ہے کہ تھوڑے سے پیسے بچ رہے تھے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ شراب کی بوتل اڑھائی روپے سے زیادہ کی تھی۔ کیونکہ معاملہ اب پیسوں تک آ گیا تھا۔افسانے میں سارا قضیہ کفن کی خریداری کا اٹھایا گیا ہے لیکن کفن کتنے کا تھا اس بارے میں کچھ علم نہیں ہوتا۔اب چونکہ کفن کی قیمت کا علم نہیں اس لیے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفن کی خریداری کے لیے مزید کتنی رقم درکار تھی؟

افسانے کا اختتام ایک تاریک پہلو (Dark End) پر ہوتا ہے۔ جہاں گھیسو اور مادھو پیٹ بھر کر کھانے اور شراب پینے کے بعد بے سدھ ہو کر گر پڑتے ہیں:

''سارا مے خانہ محوِ تماشا تھا اور یہ دونوں مے کش محویت کے عالم میں گائے جاتے تھے۔ پھر دونوں ناچنے لگے۔

اچھلے بھی، کودے بھی، گرے بھی ، مٹکے بھی ، بھاؤ بھی بتائے اور آخر نشہ سے بدمست ہو کر وہیں گر پڑے۔‘‘

لیکن اس اختتام کے بعد بھی کئی سوال جنم لیتے ہیں۔ مثلاً

گھیسو اور مادھو جب ہوش میں آئے ہوں گے تو کیا ہوا ہو گا؟ کیا وہ گاؤں سے فرار ہو گئے ہوں گے یا پھر واپس گاؤں والوں کے پاس آئے ہوں گے؟ مادھو اور گھیسو کی غیر موجودگی میں گاؤں والوں کا ری ایکشن کیا ہوا ہو گا؟ کیا گاؤں والوں نے بدھیا کا کریا کرم کیا تھا؟ بدھیا کے کریا کرم میں گاؤں کے کتنے لوگ شامل ہوئے ہوں گے؟ بدھیا کی آخری رسومات ہوئی بھی تھیں کہ نہیں؟ اگر مادھو اور گھیسو گاؤں والوں کے پاس واپس آئے تھے تو ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟

یہ وہ سوال ہیں جو افسانے کے اختتام پر تشنہ رہ جاتے ہیں۔ اگر افسانے کا موضوعی مطالعہ کرنا مقصود ہو تو ان سوالات کا جواب بہت ضروری ہے وگرنہ موضوعی حوالے سے حتمیت قائم نہیں کی جا سکتی۔

اس افسانے کا بیان کار / راوی Heterodiestic ہے۔ جو کہ ہمہ بین ہے لیکن نامعلوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ واقعات در واقعات اس کے تبصروں کے بعد بھی وجودی سطح پر اس کی شناخت کا علم نہیں ہو پاتا۔ آیا اس کا راوی مرد ہے یا عورت۔ خود مصنف نے بھی اس کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں کیا۔ لیکن کہانی کا بیان کرنے والا کوئی تو ہے۔ اور اگر کوئی اور راوی نہیں ہے تو وہ راوی یقیناً مصنف خود ہو گا۔ اس صورت میں راوی کی حیثیت بطور غیر جانبدار راوی کے ختم ہو جاتی ہے۔ جو کہ ایک تماش بین کے طور پر منظر تجسیم کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے لیے اسے ایسے ٹھوس کردار کی طرح ہونا پڑتا ہے جو سب چیزیں دیکھ رہا ہو لیکن معاملات میں دخل اندازی نہ کر رہا ہو۔ لیکن متن کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کا کرداروں پر پسند و ناپسند کے حوالے سے مکمل کنٹرول ہے بلکہ وہ بار بار کہانی کے بیانیے میں مداخلت بھی کرتا ہے۔ اس کی مثال ملاحظہ ہو:

’’کاش دونوں سادھو ہوتے تو انہیں قناعت اور توکل کے لیے ضبطِ نفس کی مطلق ضرورت نہ ہوتی۔ یہ ان کی خلقی صفت تھی۔ عجیب زندگی تھی‘‘ (مصنف کی لائن)

’’جس سماج میں رات دن محنت کرنے والوں کی حالت ان کی حالت سے کچھ بہت اچھی نہ تھی اور کسانوں کے مقابلے میں وہ لوگ جو کسانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانا جانتے تھے کہیں زیادہ فارغ البال تھے، وہاں اس قسم کی ذہنیت کا پیدا ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ ہم تو کہیں گے کہ گھیسو کسانوں کے مقابلے میں زیادہ باریک بین تھا

اور کسانوں کی تہی دماغ جمعیت میں شامل ہونے کے بدلے شاطروں کی فتنہ پرداز جماعت میں شامل ہو گیا تھا۔ ہاں اس میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ شاطروں کے آئین و آداب کی پابندی بھی کرتا۔ اس لیے یہ جہاں اس کی جماعت کے اور لوگ گاؤں کے سرغنہ اور مکھیا بنے ہوئے تھے، اس پر سارا گاؤں انگشت نمائی کرتا تھا پھر بھی اسے یہ تسکین تو تھی ہی کہ اگر وہ خستہ حال ہے تو کم از کم اسے کسانوں کی سی جگر توڑ محنت تو نہیں کرنی پڑتی اور اس کی سادگی اور بے زبانی سے دوسرے بے جا فائدہ تو نہیں اٹھاتے۔'' (مصنف کی لائن)

مصنف ہی اس افسانے کا راوی ہے اور وہ اپنے نظریات کے تابع بھی ہے، اس بات کا اندازہ پریم چند کے اپنی کہانیوں سے متعلق ایک خط سے ہوتا ہے۔ فروری ۱۹۳۴ء میں ایڈیٹر ''نیرنگِ خیال'' کے نام اپنے ایک خط میں پریم چند نے افسانہ کے واقعاتی اور نفسیاتی عنصر کو خاص اہمیت دی ہے۔ اس خط کا حوالہ قمر رئیس نے اپنی مرتبہ کتاب ''پریم چند کے نمائندہ افسانے'' کے دیباچہ میں دیا ہے۔ وہ خط ملاحظہ ہو:

''میرے قصے اکثر کسی نہ کسی مشاہدہ یا تجربہ پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس میں ڈرامائی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں مگر محض واقعہ کے اظہار کے لیے میں کہانیاں نہیں لکھتا۔ میں اس میں کسی فلسفیانہ یا جذباتی حقیقت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ جب تک اس قسم کی کوئی بنیاد نہیں ملتی میرا قلم ہی نہیں اٹھتا۔''(۳)

اردو تنقید میں اس افسانے کی تفہیم کے لیے متن سے زیادہ مصنف اور موضوع کے مطابق اس کا تناظراتی مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس حوالے سے مختلف ناقدین کیا لکھتے ہیں ان کی آراء بھی ملاحظہ ہوں جن سے مصنف اور افسانے کا قریبی تعلق واضح ہوگا۔ ڈاکٹر خواجہ محمد ذکریا اس افسانے سے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ افسانہ بے رحم حقیقت نگاری کی عمدہ مثال ہے۔ ناداری اور غربت انسانوں کو کس قدر بے حس اور خود غرض بنا دیتی ہے یہی اس افسانے کا موضوع ہے۔ گھیسو اور مادھو کس قدر بے رحم معلوم ہوتے ہیں مگر جس تناظر میں انہیں پیش کیا گیا ہے اس میں وہ حق بجانب نظر آنے لگتے ہیں۔''(۴)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مادھو اور گھیسو کو کسی خاص تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔ تناظر مصنف کا ہوتا ہے راوی کا نہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف ہی اس کہانی کا راوی ہے اور وہ اس کہانی کو کسی خاص تناظر میں لکھ رہا ہے۔ اور جب کسی کہانی کو ایک خاص تناظر میں لکھا جائے تو کردار کس حد تک آزاد اور متحرک ہو سکتے ہیں۔ صغیر افراہیم اس بارے میں کیا لکھتے ہیں ملاحظہ ہو:

''کفن میں مرکزی کرداروں کے مکالمے، افسانہ نگار کے وضاحتی بیانات اور جا بجا بکھرے ہوئے سانحی نشیب و فراز افسانے کے لہجے کو طنز کا ایسا آہنگ دیتے ہیں کہ تمام تشکیلی عناصر اس میں ڈوب کر رہ جاتے ہیں اور افسانہ ایک مکمل طنز کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔''(۵)

انسائیکلو پیڈیا میں اس افسانے سے متعلق کیا لکھا گیا ہے، ملاحظہ ہو:

"" The Shroud" shows Premchand's prose at its most succinct and leanest, with the author at his disillusioned and vulnerable. The narration is fast paced, and the dialogue bristles with anger and irony, as it does in many of the stories Premchand wrote toward the end of his life.(6)

پریم چند نے یہ افسانہ عمر کے بالکل آخری حصے میں تحریر کیا اور پہلی مرتبہ ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۳۶ء میں پریم چند کا انتقال ہو گیا تھا۔ پریم چند نے یہ افسانہ ممبئی میں لکھا تھا یہی وجہ ہے کہ اس کی لوکیل میں گاؤں اور شہر مدغم کر دیے ہیں۔ ایک طرف گاؤں کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جھونپڑے کے دروازے پر باپ اور بیٹا دونوں ایک بجھے ہوئے الاؤ کے سامنے خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور اندر بیٹے کی نوجوان بیوی بدھیا دردِ زہ سے پچھاڑیں کھا رہی تھی اور رہ رہ کر اس کے منہ سے ایسی دلخراش صدا نکلتی تھی کہ دونوں کلیجہ تھام لیتے تھے۔ جاڑوں کی رات تھی، فضا سناٹے میں غرق۔ سارا گاؤں تاریکی میں جذب ہو گیا تھا۔''

لیکن افسانے کے اختتام پر جو لوکیل قائم کی گئی ہے وہ افسانے کے ابتدائی منظر سے میل نہیں کھاتی۔ ملاحظہ ہو:

''دونوں ایک دوسرے کے دل کا ماجرا معنوی طور پر سمجھ رہے تھے۔ بازار میں ادھر ادھر گھومتے رہے۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ دونوں اتفاق سے یا عمداً ایک شراب خانے کے سامنے آ پہنچے اور گویا کسی طے شدہ فیصلے کے مطابق اندر گئے۔ وہاں ذرا دیر تک دونوں تذبذب کی حالت میں کھڑے رہے۔''

'' آدھی بوتل سے زیادہ ختم ہو گئی۔ گھیسو نے دو سیر پوریاں منگوائیں۔ گوشت اور سالن اور چٹ پٹی کلیجیاں اور تلی ہوئی مچھلی۔'' ''شراب خانے کے سامنے دکان تھی، مادھو لپک کر دو پتلیوں میں ساری چیزیں لے آیا۔ پورے ڈیڑھ روپے خرچ ہو گئے۔ صرف تھوڑے سے پیسے بچ رہے۔''

یاد رہے کہ یہ ایک گاؤں کی کہانی ہے ۔ایک گاؤں میں اتنا بڑا بازار کہ وہ سارا دن گھومتے رہے جبکہ مصنف پہلے پیراگراف میں یہ بتا چکا تھا کہ سرِ شام ہی گاؤں تاریکی میں غرق ہو چکا تھا اور ہر طرف سناٹا تھا۔اتنے بڑے بازار اور ان رونقوں کے ساتھ سناٹا ؟ یوں افسانے کا پہلا اور آخری پیراگراف آپس میں میل نہیں کھاتے۔ حالانکہ یہی پیراگراف اس افسانے کے اہم ترین حصے ہیں۔

پریم چند کی زندگی سے متعلق پرکاش چندر گپت لکھتے ہیں:

''۱۸ اکتوبر ۱۹۳۶ء صبح ساڑھے سات بجے کے قریب پریم چند نے اس دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔ ان کی موت قبل از وقت ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر چھپن سال کی تھی۔ مالی مشکلات اور علالت، تفکرات اور ایسی زندگی کے خلاف مسلسل جنگ نے جو انسان کو ذلیل کرتی اور انسانی عظمت میں یقین کو ڈگمگا دیتی ہے، انہیں بالکل نڈھال کر دیا تھا۔''(۷)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں پریم چند مالی مشکلات، علالت اور پریشان خیالی کی وجہ سے شدید اضطراب میں تھے۔وہ شہر میں رہ رہے تھے جہاں ان کی پریشانیاں آئے روز بڑھ رہی تھیں اور وہی شہر ان کے شعور اور مشاہدے میں اس وقت تھا۔ جبکہ ان کے لاشعور میں وہ گاؤں تھا جہاں سے انہوں نے اپنی زندگی کے سفر کا آغاز کیا تھا۔شاید اسی اضطراب کی وجہ سے ہی وہ اس افسانے میں لوکیل کو قائم نہ رکھ سکے۔اسی لیے افسانے کی ابتدائی لوکیل میں وہ اپنے گاؤں کو ہی لے کر آئے لیکن اختتام میں شعوری یا لاشعوری طور پر اس لوکیل کو شہر سے بدل دیا جہاں اس وقت وہ رہ رہے تھے۔اس کے ساتھ ساتھ ہی کرداروں سے متعلق ان کا دوہرا معیار بھی سامنے آتا ہے۔ گھیسو اور مادھو مصنف کے معتوب کردار ہیں کہ ایک طرف ان کے بارے میں مصنف کی رائے یوں ہے ''ان دونوں بے غیرتوں کا دوزخ بھرتی رہتی تھی''۔ جبکہ دوسری طرف اُن کی اِن ہی خامیوں پر جن پر اُن کو معتوب کیا گیا کو جواز بنا کر اُن کے افعال کو درست قرار دیا جا رہا تھا ''ہم تو کہیں گے کہ گھیسو کسانوں کے مقابلے میں زیادہ باریک بین تھا۔۔۔اس پر سارا گاؤں انگشت نمائی کرتا تھا پھر بھی اسے یہ تسکین تو تھی ہی کہ اگر وہ خستہ حال ہے تو کم از کم اسے کسانوں کی سی جگر توڑ محنت تو نہیں کرنی پڑتی۔'' افسانے میں بدھیا کی موت زچگی کے دوران ہوئی ہے۔بدھیا کی صورتحال سے یقیناً گاؤں والے خاص طور پر عورتیں واقف ہوں گی۔ایسی صورتحال میں اگر گھیسو اور مادھو گاؤں والوں سے بدھیا کے علاج کے لیے رقم کا تقاضا کرتے تو یقیناً وہ دے دیتے۔ جو گاؤں والے بدھیا کے مرنے پر پانچ روپے دے دیتے ہیں وہ یقیناً اوجھا کے لیے ایک روپیہ بھی دے دیتے۔ کیونکہ گاؤں والے پہلے بھی ان کی مدد کرتے رہتے تھے جیسا کہ

مصنف افسانے کی ابتداء میں بتا چکا ہے ’’وصولی کی مطلق امید ہونے پر بھی لوگ انہیں کچھ نہ کچھ قرض دے دیتے تھے‘‘ لیکن وہ بدھیا کے علاج کے لیے رقم کا تقاضا ہی نہیں کرنے جاتے۔افسانے میں زیادہ تلخی تب سامنے آتی جب گاؤں والے گھیسو اور مادھو کے تقاضا کرنے کے باوجود بدھیا کے علاج کے لیے پیسے دینے سے انکار کر دیتے۔لیکن جب وہ مرجاتی تو اس کے کریا کرم کے لیے رقم دے دیتے۔یہی وجہ ہے کہ متن میں مصنف کے بیانات، کرداروں کے مکالمات، ان کے ایکشن اور مختلف تناظرات کو دیکھا جائے تو ان میں الجھاؤ نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ تحسین بی بی، ڈاکٹر، منشی پریم چند کے افسانوں میں سیاسی شعور، مشمولہ اردو ریسرچ جرنل، شمارہ ۱۵

۲۔ اعجاز خاور، دیباچہ، پریم چند کے شاہکار افسانے، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، سن ندارد، ص ۸

۳۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، مقدمہ، پریم چند کے نمائندہ افسانے، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۶ء، ص ۹

۴۔ خواجہ محمد ذکریا، ڈاکٹر، پریم چند کے بہترین افسانے، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۱۴

۵۔ صغیر افراہیم، پریم چند کی تخلیقات کا معروضی مطالعہ، براؤن بک پبلی کیشنز، نئی دھلی، ۲۰۱۷ء، ص ۱۲۷

6. https://www.encyclopedia.com/arts/encyclopedias-alma nacs-transcripts-and- maps/shroud-kafan-premcand-1936

۷۔ پرکاش چندر گپت، پریم چند: ہندوستانی ادب کے معمار، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء، ص ۹۷